تاثرات

علامہ اقبال نے اپنے معروف خطبۂ الہ آباد میں کہا تھا۔ یہ بات ہندوستان اور اسلام کے بہترین مفاد میں ہے کہ یہاں ایک مسلم ریاست وجود میں آئے، جس سے ہندوستان کو سلامتی اور آشتی ملے گی اور اسلام کو اپنے دامن سے عرب ملوکیت کے دھبے کو دھونے کا موقع میسر آئے گا۔

قیامِ پاکستان کے بعد ہم کہاں تک اقبال کی اس دلی تمنا کو پورا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں؟ اس بات کا فیصلہ تو فنِ ریاست کے ماہر اور اقبالیات کے علما ہی کر سکیں گے۔ لیکن ہمیں بعض اوقات شدّت سے یہ احساس ہوتا ہے کہ اسلام کے دامن سے عرب ملوکیت کے دھبے کو صاف کرنا تو ایک طرف رہا، ہم نے اسلام کے دامن کو مزید داغ دار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ ہم نہ صرف پاکستان میں ایک صحت مند سیاسی اور معاشی نظام قائم نہیں کر پائے، بلکہ ۱۹۴۷ء میں جس مقام پر کھڑے تھے بعض معاملات میں آج ہم اس مقام سے بہت پیچھے آ گئے ہیں۔

دستور کو پھاڑنا ہمارا دل پسند مشغلہ ہے، قانون کو توڑنا ہماری ثقافت بن چکا ہے۔ زندگی کے تقدس کو پامال کرنا اور خدائی احکام سے بغاوت کرنا ہمارے "کلچر" کا ایک حصّہ ہے۔ برسرِ بازار لوگوں کا خون بہانا، خواتین کی بے حرمتی کر کے اپنی "فتح و نصرت" کے شادیانے بجانا، غرضیکہ بدبختی و بربادی کی کون سی راہ ہے، جس پر چل کر ہم نے اپنے دین و دنیا کو برباد نہیں کیا ہے۔ اسی لیے اقبال نے بہت پہلے ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار

کرتے ہوئے کہا تھا کہ " افسوس مسلمان خالص جمہوری خطوط پر انتخابی ادارے قائم نہ کرسکے، جس کے نتیجے میں وہ ایشیا کے سیاسی ارتقا میں کوئی صحت مند کردار ادا کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں۔"

صحیح بات یہ ہے کہ یہ پوری قوم کی بدقسمتی تھی کہ اقبال اور جناح نے اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا، جو ہمیں بتاتا کہ جب تک ہماری سرکش " انا " کسی اخلاقی ضابطے کے سامنے اپنا سر نہیں جھکائے گی، اور ایک بامقصد تعلیم سے آراستہ ہو کر ہم زندگی کا سراغ نہیں پائیں گے، اس وقت تک ہم اپنے اجتماعی نظام میں کوئی جان دار روایت قائم نہیں کر پائیں گے، اور فطرت کا کوئی تازیانہ ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

ہم نے اپنے سامنے بنگال (مشرقی پاکستان) کو پاکستان سے الگ ہوتے ہوئے دیکھا، لیکن ہم نے اس المیے سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔ چنانچہ ۱۹۷۰ء سے لے کر آج تک اسلام آباد کا سیاسی موسم ایک ہی مقام پر کھڑا ہے، اور وہ ہے خزاں کا موسم۔ جب کبھی موسم بہار میں جمہوریت کی صبح مسکرانے کے لیے تیار ہوتی ہے، سیاسی موسم پر خزاں کے چھائے ہوئے گہرے سائے اس کی راہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم جس دکھ درد سے اسلام آباد میں سیاسی اداروں کی شکست و ریخت کا نظارہ کرتے رہتے ہیں، یہ 'تماشہ' 'دہلی' میں کبھی نہیں دیکھا گیا، پاکستان کے ایک سابق وزیراعظم (چوہدری محمد علی مرحوم) نے سچ کہا تھا کہ دہلی کے سیاسی استحکام میں جواہر لال نہرو کے طویل دورِ حکومت کا ۔ جو ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۴ء تک جاری رہا ۔ ہاتھ ہے۔ ہم اس عرصے میں یہاں کراچی اور اسلام آباد میں کئی حکومتوں کا تختہ الٹ کر غازی بن چکے تھے۔

آج جب کہ ہم اقبال کی برسی منا رہے ہیں، ہمیں اپنے طرزِ فکر اور سیاسی روش کا سنجیدگی سے محاسبہ کرنا چاہیے، ہمیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ ہم آج جس جنت میں رہ رہے ہیں، وہ ہماری اور آئندہ نسلوں کی آرزوؤں، تمناؤں، ولولوں، اور مسرتوں کی جلوہ گاہ ہے۔ ہماری زندگی اور بقا اسی سرزمین سے وابستہ ہے۔

ہمیں فکر و نظر سے عاری، اخلاق و شرافت سے بیگانہ 'رہنماؤں' سے جن کے پاس متاعِ غرور کے سوا کوئی سرمایہ نہیں ہے، چوکنا رہنا چاہیے جو آدم کی اولاد کو جنت سے نکالنے کے لیے برابر سعیِ ناتمام کرتے رہتے ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر کی موت سے لے کر ۱۹۴۷ء تک ہمارے آبا و اجداد غم و حزن کی جس طویل سیاہ رات سے گزرے ہیں، اس کی جان کنی کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے، اس طویل دور میں، جو ڈھائی صدیوں پر محیط ہے، صرف حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی شخصیتیں ایسی کامیاب شخصیتیں ہیں، جو ایک نجات دہندہ کی حیثیت سے ہمارے سیاسی سٹیج پر کچھ وقت کے لیے نمودار ہوئی تھیں، لیکن اپنوں کی بے وفائی اور غیروں کی عیاری نے ٹیپو کی جان لے کر چھوڑی۔ حیدر علی اور ٹیپو کے بعد پاکستان کا قیام مسلم سیاست کی دوسری کامیاب کوشش تھی، جس نے ہمیں اپنی تقدیروں کا فیصلہ کرنے کا حق دیا ہے، چنانچہ اقبال کی کامیاب برسی منانے کی ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے عقل و دانش، حزم و احتیاط اور اخلاق و شرافت کی راہ، جس پر چل کر ہم اپنے اجتماعی اور اقتصادی نظام کو خوب سے خوب تر بنا کر اپنے مستقبل کو اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔ ورنہ نعرہ بازی، ہنگامہ آرائی، تشدّد و نفرت، ہوا و ہوس کی غلامی سے ہمیں رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ ہمیں اپنے مقدس مقصد کے حصول کے لیے اخلاقی راہ ہی کو اختیار کرنا ہوگا۔ یہی وقت کا تقاضہ ہے اور یہی ہماری اخلاقی اور روحانی روایات کا مطالبہ ہے۔

کشمیر کی خوں چکاں داستان اور علّامہ اقبال

المعارف کے گزشتہ شمارے میں بوسنیا اور فلسطین میں بسنے والے مسلم خون کا تذکرہ آیا تھا، آج ہم اسی خوں چکاں داستان کی ایک دوسری کڑی کا ذکر کر رہے ہیں۔ یہ خونی ڈرامہ ادھر تقریباً اسّی سال سے کشمیر کے سٹیج پر رچایا جا رہا ہے۔ اس ڈرامے کا سب سے